ماہنامہ الفرقان اور نقیب کے اداریئے

بھارت کے مسلمان رہنماؤں کے تاثرات

المیہ مشرقی پاکستان

مسلمانوں کے بگاڑے ہوئے ذہن کی اصلاح نہ کر سکنے کا نتیجہ

★

سقوطِ مشرقی پاکستان پر بھارت کے ممتاز مسلمان علماء اور رہنماؤں کے تاثرات کا کچھ اندازہ پیشِ نظر دو اداریوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ پہلا اداریہ معروف ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کا ہے۔ شہرۂ آفاق عالم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کا لکھا ہوا ـــــ دوسرا اداریہ معاصر نقیب پھلواری پٹنہ کا ہے۔ "س"

★

گذشتہ مارچ سے جب سے کہ مشرقی بنگال میں ان خونیں واقعات کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو بالآخر ہندوستان و پاکستان کے درمیان جنگ کا باعث بنے اور پھر جس کے نتیجہ میں مشرقی بنگال کا تعلق پاکستان سے ختم ہو گیا۔ راقم سطور کو تحریک پاکستان کے اس طوفانی دور کے، جو اس وقت کے وائسرائے ہند ویول کی بلائی ہوئی کانفرنس (۱۹۴۵ء) کے بعد سے شروع ہوا تھا۔ بعض تکلیف دہ واقعات اور مناظر اس طرح یاد آتے رہے گویا کہ وہ اب آنکھوں کے سامنے ہو رہے ہیں۔

اس وقت جداگانہ انتخاب رائج تھا۔ عام مسلمان جن کی غالب اکثریت سیاسی فہم و شعور سے بالکل خالی تھی (اور دین کے علم و عمل کے لحاظ سے بھی جن کا حال ایسا ہی تھا مگر اسلام کے نام سے ایک گہرا جذباتی تعلق رکھتے تھے۔) ان کی حمایت اور ان کے ووٹ تحریک پاکستان کے حق میں حاصل کرنے کے لئے پاکستان کی جدوجہد کو ایک "مقدس جہاد" بنا دیا گیا تھا، اور عوام کے دلوں میں صرف نعروں اور جلوسوں کے ذریعہ ایسا جوش بھر دیا گیا تھا۔ کہ وہ اس کے نتائج و ثمرات اور منافع و مضرات کو سمجھنے کے لئے کسی بات کے سننے اور اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہی

نہیں ہو سکتے تھے۔ انہیں باور کرایا گیا تھا کہ پاکستان کی حکومت لا الہ الا اللہ کی عملی تفسیر اور اس بیسویں صدی کی دنیا کے لئے "اسلامی حکومت" اور "خلافت اسلامیہ" کا نمونہ ہو گی اور وہاں قرآن کی حکمرانی ہو گی اور تقسیم کے بعد ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کے شہری و ملی حقوق کی بھی وہ محافظ ہو گی۔

یہ لوگ اس وقت اتنی موٹی بات سمجھنے کے لئے بھی تیار نہیں تھے کہ آج کی دنیا میں کوئی ملک دوسرے ملک کے شہریوں کا محافظ نہیں بن سکتا، اور کسی ملک کے شہری دوسرے کسی ملک سے ایسا رابطہ نہیں رکھ سکتے۔ اور اگر ایسا کریں گے تو اپنے لئے مزید سنگین مشکلات پیدا کریں گے۔

اور اس سے بھی موٹی اور کھلی آنکھوں نظر آنے والی اس حقیقت پر غور کرنے کے لئے بھی یہ بیچارے اس وقت تیار نہیں تھے کہ جو لوگ تحریک پاکستان اور اس کی علمبردار مسلم لیگ کے صف اوّل کے قائدین تھے۔ ان میں سے بہت سوں کا دین سے تعلق بظاہر برائے نام سا ہی تھا۔ انہوں نے اپنی ذات اور اپنے گھرانہ پر بھی حکومت کرنے کی اجازت کبھی اسلام اور اس کی شریعت کو نہیں دی تھی، ان سے یہ توقع کرنا کہ وہ اسلامی نصب العین کے مطابق حکومت قائم کریں گے اور وہاں شریعت کی حکمرانی ہو گی، زانیوں اور شرابیوں کو درے مارے جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ ببول کے درخت سے آم اور املی کے درخت سے امرود حاصل کرنے کی امید سے کم عجیب بات نہیں تھی[1] لیکن بیچارے عام مسلمانوں اور خاصکر نوجوانوں کو ایسا ہی دیوانہ بنا دیا گیا تھا کہ وہ اس پر پورا یقین رکھتے تھے۔

---

[1] اس موقع پر بے اختیار ایک واقعہ ذکر کرنے کا جی چاہتا ہے۔ جو اسی زمانہ میں (یعنی اب سے ۲۷-۲۸ سال پہلے) عبرت آموزی کے لئے "الفرقان" میں شائع کر دیا گیا تھا۔ یہاں اسی سے نقل کیا جا رہا ہے۔ "پنجاب کے میرے ایک دوست جو ہر طرح ثقہ اور قابل اعتماد ہیں اور دنیوی جاہ و منصب کے لحاظ سے بھی بہت بلند مقام ہیں۔ اور سیاسی مسلک کے لحاظ سے مسلم لیگی یا مسلم لیگ سے قریب تر ہیں، خود انہوں نے راقم سطور سے اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ مسلم لیگ کے ایک لیڈر اعظم سے انہوں نے ایک ملاقات میں نماز کے لئے کہا اور نماز کی دینی اہمیت ان پر واضح کی۔ سب کچھ سننے کے بعد ان لیڈر اعظم صاحب نے کسی قدر برافروختہ ہو کر انگریزی میں فرمایا۔ "کیا وقت کا تقاضا

پھر یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ ملک کی تقسیم کو غلط اور بحیثیت مجموعی مسلمانانِ ہند کے لئے نقصان رساں یقین کرتے ہوئے اس کی سخت مخالفت کرنے والے مسلمانوں میں سے ان کے اکثر وہ علمائے دین تھے جو دین سے علمی اور عملی تعلق میں امتیاز رکھنے کے علاوہ اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے قربانیوں کے لحاظ سے بھی اپنی ایک خاص تاریخ رکھتے تھے اور مسلمانوں میں سیاسی حرکت و بیداری کے آغاز ہی سے وہ سیاست کے میدان میں تھے، ان کی زندگیوں کا خاصہ حصہ انگریزی اقتدار کے خلاف لڑتے ہوئے جیلوں میں گزرا تھا۔ اور کم سے کم ملک کے پڑھے لکھے مسلمان اس کو جانتے تھے۔ لیکن اس وقت فضا ایسی بنادی گئی تھی کہ اللہ کی پناہ! مسلمانوں کا بڑا طبقہ ان کو بھی دشمنِ اسلام سمجھتا اور ان کی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔

خود راقم السطور اس وقت بلکہ کئی سال پہلے سے سیاسی اور خاص کر الکشنی ہنگاموں سے عملاً بے تعلق رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا، لیکن مسلمانوں کے بہت بڑے طبقہ نے خاص کر ان کے "تعلیمیافتہ" طبقہ نے اس الکشنی جنگ میں اسلامی تہذیب و شرافت، شرعی احکام، اخلاقی اقدار اور معقولیت و سنجیدگی کے تقاضوں کو متروک کر کے صرف جوش و جذبات کی رو میں بہنے اور پھر ہر ناکردنی کر گزرنے کا جو رویہ اپنا لیا تھا۔ اس سے سخت روحانی کوفت بھی تھی اور یہ فکر بھی تھی کہ اس نسل کا کیا انجام ہوگا۔ جس کو ملک و ملت کے بڑے بڑے مسائل کے بارہ میں بھی عقل و ہوش اور غور و فکر سے کام لینے کے بجائے اندھے جوش و خروش اور غنڈہ گردی کا عادی بنایا جا رہا ہے۔ اس لئے اس صورتِ حال پر اپنے اضطراب اور فکرمندی کا اظہار کبھی کبھی الفرقان کے صفحات پر بھی ہو جاتا تھا اور شدتِ احساس سے اس کا انداز کبھی بہت تلخ بھی ہو جاتا تھا۔

نومبر ۱۹۴۵ء میں جبکہ چند روز کے بعد مرکزی اسمبلی کا الکشن ہونے والا تھا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ الکشنی مہم ہی کے سلسلہ میں بریلی تشریف لائے، ان کی اور ان کے رفقا کی رائے پورے وثوق اور یقین کے ساتھ یہ تھی کہ ملک کی تقسیم ہندوستانی مسلمانوں کے لئے مفید نہیں بلکہ سخت مضر

ان باتوں کے لئے ہے۔" اس جواب کے بعد بھی ہمارے ان مبلغ دوست نے بطرزِ حسن اپنی تبلیغ جاری رکھی اور ان کو بتلایا کہ اسلام میں نماز کی اہمیت دوسری تمام چیزوں سے زیادہ ہے اور آپ چونکہ قوم کے سب سے بڑے لیڈر ہیں اس لئے قوم بھی یہ چاہتی ہے کہ آپ نماز پڑھیں۔"

ان لیڈرِ اعظم نے یہ سب سننے کے بعد ایک خاص انداز میں فرمایا۔ "کیا مصطفیٰ کمال نماز پڑھتا تھا۔" (الفرقان۔ محرم ۶۵ھ صفحہ ۶)

ہو گی (جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں تھے ہیں ۔ جیسے یوپی بہار وغیرہ (جو ہندوستان میں اسلامی تہذیب وثقافت کے مراکز ہیں اور اصل مسائل انہیں کے ہیں ۔) تقسیم کے بعد ان کی مشکلات اور زیادہ بڑھ جائیں گی ، اور جن صوبوں میں وہ اکثریت میں ہیں ۔ وہاں تو وفاقی نظام حکومت میں اختیار و اقتدار بہر حال ان ہی کے ہاتھ میں رہے گا ۔ اپنی اس دیانتدارانہ رائے کی بنا پر وہ مسلم لیگ کے مطالبۂ تقسیم کے مخالف تھے اور چونکہ فیصلہ کا دار و مدار مسلم سیٹوں کے الیکشن کے نتائج پر تھا ۔ اس لئے مسلمانوں کو اپنا نقطۂ نظر سمجھانے اور اپنا ہم خیال بنانے کے لئے وہ پوری طرح سرگرم تھے ۔ اور اس کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت اور اپنا فرض سمجھتے تھے ۔ اس مہم کے سلسلہ میں وہ ۲۰ ر نومبر ۱۹۴۵ء کو بریلی بھی تشریف لائے ، راقم السطور کا قیام اس زمانہ میں بریلی ہی تھا ، الفرقان وہیں سے نکلتا تھا ۔ شہر کے مرکزی مقام "کتب خانہ" کے پارک میں جلسہ کا انتظام کیا گیا تھا ۔ بعد عشا کا وقت تھا ۔ اس عاجز نے بھی جانے اور سننے دیکھنے کا فیصلہ کیا اور جلسہ گاہ کے قریب ایک ذرا بلند جگہ پر کھڑے ہو کر دیکھنا سننا اپنے لئے زیادہ مناسب سمجھا ۔ پھر جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ، وہ ایسا تھا کہ اگر میں خود نہ دیکھتا اور کوئی دوسرا بیان کرتا تو ہرگز یقین نہ آتا ۔ جیسے ہی حضرت مولانا اور ان کے رفقاء جلسہ گاہ میں تشریف لائے اور جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی ، مخالفین کے ان گروہوں اور ٹولیوں کی طرف سے جو پہلے سے جلسہ گاہ کے ارد گرد کھڑے تھے ، مخالفانہ نعروں اور غنڈہ گردی کا ایک طوفان اور ہنگامہ شروع ہو گیا ۔ اپنا یہ مشاہدہ اور اس کے بارہ میں اپنا کچھ تاثر بھی اس وقت الفرقان میں لکھا گیا تھا ۔ اس کی چند سطریں یہ ہیں :

> بدتمیزی اور حیوانیت کا ایک عبرتناک طوفان اور ہنگامہ تھا ، کوئی دور سے جوتا دکھا رہا ہے ۔ کوئی ہاکی اٹھا رہا ہے ۔ کوئی پیپا بجا رہا ہے ۔ کوئی کسی دوکان کے سائبان کا ٹین یا ٹین بورڈ پیٹ رہا ہے ۔ کبھی سب مل کر تالیاں بجا رہے ہیں ، کبھی جانوروں کی بولیاں بولی جا رہی ہیں ۔ پھر اس ساری غزل کا مقطع یہ تھا کہ جلسہ گاہ کے ارد گرد سڑک کی کٹائی کے لئے پتھروں کے جو ڈھیر لگے ہوئے تھے ، پہلے تو جلسہ پر اکا دکا پتھر پھینکے گئے اور پتھروں ہی سے گیس کے ہنڈے توڑ کر اندھیرا کر دیا گیا ۔ اور آخر میں چند ٹولیوں نے پتھر کے ان ڈھیروں پر کھڑے ہو کر اس قدر بے دردی کے ساتھ بے تحاشا پتھر برسائے کہ اگر یہ سب پتھر جلسہ ہی پر گرتے تو حاضرین میں سے شاید کوئی ایک بھی صحیح سالم نہ رہتا ....

بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہذب اور تعلیم یافتہ فیشنیبل صاحبزادوں کے لباس میں لایعقل حیوانوں کا ایک انبوہ ہے۔ جو اپنی انسانی حیثیت کو بالکل فراموش کر کے حیوانیت و درندگی کا یہ مظاہرہ کر رہا ہے۔

پھر اس تحریر کے آخر میں اس وقت کے قائدین مسلم لیگ کو مخاطب کر کے عرض کیا گیا تھا۔

"ٹھنڈے دل سے سوچنے کی بات ہے کہ جن بیچارے جاہلوں، ان پڑھوں یا اسکولوں کالجوں میں تعلیم پانے والے جن نوخیز و ناتجربہ کار جذباتی نوجوانوں کے ذہن کو غلط تربیت دے کر آپ آج مولانا حسین احمد مدنی جیسے بزرگوں کی بے عزتی کراتے ہیں۔ (دین وملت کے لئے جن کی قربانیوں کی شاندار تاریخ بھی ہے۔) کل ایسا دن بھی آسکتا ہے۔ کہ یہ بگڑی ہوئی ذہنیت کسی اختلاف کے موقع پر خود آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی یا اس سے بھی بدتر برتاؤ کرے۔" (الفرقان۔ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ)

بریلی کا یہ واقعہ تو خود اپنی آنکھوں نے دیکھا تھا، اس کے علاوہ اس دور میں یوپی، بہار اور پنجاب کے بہت سے مقامات پر خاصکر حضرت مولانا مدنیؒ کے ساتھ انتہائی بدتمیزی کے اس طرح کے واقعات بار بار ہوئے تھے۔ اسی طرح اسی زمانہ میں مولانا آزاد کے ساتھ جبکہ وہ کلکتہ سے دہلی کے لئے سفر کر رہے تھے علی گڑھ اسٹیشن پر جو کچھ کیا گیا تھا، اس کی شرمناک اور تکلیف دہ تفصیلات اخبارات میں آئی تھیں، بہت سوں کو اب تک یاد بھی ہوں گی۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان کی تحریک جسطرح چلائی گئی تھی اس نے مسلمانوں اور خاصکر نوجوانوں کی تفکر اور عاقبت اندیشی کی صلاحیت اور سنجیدگی و متانت کو کتنا برباد کیا، اخلاقی معیار کو کتنا گرایا اور کس قدر غلط تربیت کی۔ اور پھر کبھی اس بگاڑ کی اصلاح کی فکر نہیں کی گئی۔

جو شخص بھی پاکستان کے قیام خاصکر لیاقت علی خاں مرحوم کے سیاسی قتل سے لے کر اس وقت تک کے وہاں کے افسوسناک اور المناک واقعات و حوادث پر گہری نظر ڈالے گا وہ محسوس کرے گا کہ قوم کا جو ذہن پاکستان کی جد وجہد میں بگاڑا گیا تھا اور تفکر و مفاہمت اور تعمیری نقطۂ نظر کی بجائے تخریب و تصادم، غنڈہ گردی اور زور دستی کا جو مزاج بنایا گیا تھا وہ جوں کا توں باقی رہا بلکہ بعد میں آنے والی نسل کو بھی میراث میں ملا، اور اس کے تلخ نتائج مختلف شکلوں میں وہاں ظاہر ہوتے رہے ہیں اور اب سب سے آخر میں مرحوم مشرقی پاکستان میں بنگالی مسلمانوں نے اپنے غیر بنگالی مسلمان بھائیوں کے ساتھ اور پھر غیر بنگالی مسلمانوں نے اپنے مسلمان بنگالی بھائیوں کے ساتھ جو کچھ کیا اور اب اس کے

جواب میں جو کچھ ہو رہا ہے اور زیادہ تر اسکولوں، کالجوں میں تعلیم پانے والے لڑکوں ہی کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔ وہ اصولی اور بنیادی طور پر وہی ہے۔ جس کا عادی ان کو تحریک پاکستان کی جدوجہد میں بنایا گیا تھا۔ وہ اس کی ابتدا تھی اور یہ اس کی انتہا ہے۔ دوسرے اقتصادی، معاشی اور سیاسی عوامل و محرکات سے انکار نہیں لیکن اگر ذہنیتوں میں وہ فساد نہ ہوتا تو اختلافات کا انجام ہرگز یہ نہ ہوتا۔

اس موقع پر دلی دکھ کے ساتھ اس کا اظہار بھی ضروری ہے۔ کہ اگرچہ قیام پاکستان کے پہلے دن سے سورج کی روشنی کی طرح یہ بات برابر ظاہر ہوتی رہی ہے کہ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں اسلام کا نام لے کر جو کچھ باور کرایا گیا تھا۔ اور نادانی وسادہ لوحی سے جس پر یقین کر لیا گیا تھا۔ وہ صرف دھوکہ تھا، وہاں ایک دن کے لئے بھی اللہ کے دین اسلام کی حکومت نہیں ہوئی بلکہ وہ بے چارہ محکوم اور مظلوم ہی رہا اور ہے۔ اسی طرح وہاں کے ارباب اقتدار نے ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ وہی رویہ رکھا ہے۔ جو عموماً حکومتیں غیر ملکیوں کے ساتھ کرتی ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے طرز عمل سے ہمیشہ ہماری مشکلات میں کچھ اضافہ ہی کیا ہے۔ جسے ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے۔ جس کو اللہ نے ان باتوں کی کچھ سمجھ بوجھ دی ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ یہاں بھی مسلمانوں میں ایک اچھا خاصا طبقہ موجود ہے۔ جس کا ذہن ۲۵ سال کے اس تجربہ کے بعد بھی نہیں بدلا ہے۔ اور اسکی خوش فہمی و خوش اعتقادی اور جذباتیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس کا سب سے بڑا ضرر یہ ہے۔ کہ یہ بے چارے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کو کبھی صحیح روشنی میں نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حل کرنے کے لئے کبھی صحیح راستہ نہیں اپنا سکتے، بلکہ اس کی راہ میں مشکلات ہی کا سبب بن رہے ہیں۔ (الفرقان لکھنؤ ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ)

کیا ہم میں غلطی تسلیم کر لینے کی جرأت ہے۔؟

(جناب شاہد رام نگری۔ ایڈیٹر نقیب پھلواری شریف پٹنہ)

یہ دنیا مسلسل تبدیلیوں اور پیہم انقلابات کا نام ہے۔ اس کارخانۂ عالم میں نہ کسی شئے کو قرار و قیام ہے۔ نہ ثبات و دوام، ہر صبح کی مقدر میں شام ہے اور ہر شب تار نمود صبح کی نقیب و پیامبر، افراد کا معاملہ ہو یا قوموں کا کوئی بھی تغیر و تبدل کے اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ زندہ قومیں ہر لمحہ انقلابات کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار رہتی ہیں۔ تبدیلیوں سے سراسیمہ ہونے کے بجائے وہ ان کو اپنی ترقی اور کامیابی و کامرانی کا زینہ بنا لیتی ہیں، تبدیلیوں کے خوف سے الگ تھلگ رہنا یا بے حسی اور بے حسی کی زندگی